انتساب

سلام ہو

شہدائے سانحہ خونین مکہ پر جن کا جرم

جائے امن خانۂ خدا میں

آج کے مشرکین سے بیزاری تھی۔

سرورق کی تشریح

اَمر بالمعرُوف و نہی عن المنکر

کی مثال ایک روشن شمس کی مانند ہے۔
جس ہی کی سنہری کرنوں سے
معاشرہ اخلاق حمیدہ سے منوّر ہوتا ہے۔
اور جو معاشرہ اِس شمس کی روشنی سے محروم ہوتا ہے۔
وُہ اخلاق رزیلہ کی تاریکیوں میں گِھر جاتا ہے۔

علاوہ ازیں:-

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

کی راہ میں ایک چھوٹی سی رکاوٹ کے بھی
معاشرے پر بہت گہرے دیرپا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔
جس کے اثرات سے آنے والی کئی نسلیں متاثر ہوتی ہیں۔
اور (امر بالمعروف) کی غیر موجودگی میں پیدا ہونے والے بُرے
معاشرے کے عذاب کو جھیلتی ہیں۔

عرضِ ناشر

حمد ہے اللہ کی جو تمام دنیا کا پالنے والا ہے۔ اور صلوٰۃ
ہو تا روزِ قیامت محمدؐ پر، اُن کی آل پرؑ اور ہر اُس شخص پر جو ان
کی طرف دعوت دے۔

جب سے ہماری اُمّت نے نیکی کی ہدایت اور بدی سے ر
کو ترک کیا اُس پر ذلّت چھا گئی اور اسلامی معاشرہ میں کمزو
گمنامی نمودار ہو گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس عظیم دین یعنی اسلام کی ساخت
اسی صورت میں قائم اور صحیح رہ سکتی ہے کہ ساری اُمّت اس کی فکر مند ر
اس پر عمل پیرا رہے، اس کی طرف دعوت دیتی رہے اور امر بالمعروف و نہی
کے ذریعہ اُس کی حفاظت کرتی رہے۔ اگر یہ اُمّت ان مقدس فرائض
بجا لا لائے تو یہ ویسی بہترین امت نہیں ہو سکتی جیسا اللہ نے اس
اس آیت میں بیان کیا ہے:۔

(تم ایسا بہترین گروہ ہو جو تمام انسانوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تم نیکیوں کی ہدایت کرتے رہو، برائیوں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے رہو) سورۂ آلِ عمران آیت ۱۰۹

جس روز سے ہماری اسلامی دنیا کے بیشتر علاقوں سے یہ فرائض نابود ہو گئے۔ اُن سے نیکی مفقود ہو گئی اور اُن میں بدی پھیل گئی۔ بلکہ نیکی بدی ہو گئی اور بدی نیکی۔ چنانچہ اُمّت پر اُمّت ہی کے شر خیز افراد مسلّط ہو گئے۔ ... لوگ بلاتے ہیں لیکن اُن کی شنوائی نہیں ہوتی۔ جب ہی تو رسُولِ خداؐ نے اِن واجبات کے ترک کئے جانے کے اندیشہ سے جو اُمّت کی زندگی اور پیغامِ ربّانی کے لئے نہایت اہم ہیں متنبہ کر دیا تھا۔

بے شک اسلام پوری شدّت سے اس بات کا خواہشمند ہے کہ اُمّت پیامِ الٰہی کے بارے میں جیتی جاگتی اور ہوشمند رہے اور دنیا کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کے لئے مثبت کردار ادا کرتی رہے تاکہ آخرت کے لحاظ سے اس کو پوری طرح اپنا لے اور پھر ایسے وقت میں جب کہ اُمّت کو ایسے ناگہانی اور نئے نئے فکری یا عملی برتاؤ کے مقابل چوکنا اور بیدار رہنا ضروری ہے جو شریعت کے خلاف ہیں یہ معاملہ صرف بیدار رہنے پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بدی سے ٹکرانے اور اس کے اثرات کو اُمّت کے صفحۂ زندگی سے مٹا ڈالنے تک جاتا ہے تاکہ صاحبانِ ایمان بھلائی کی

دعوت اور نیکی کی ہدایت کے اگلے زینہ پر جم جائیں۔

یہ باعث تعجب نہیں ہے کہ اسلام نیکی کی ہدایت اور بدی سے روکنے کو فرائض میں اگلا درجہ دیتا ہے اور اس پر عمل کرتے رہنے والوں کو مصروف عمل مومنوں کے پیش روؤں میں شمار کرتا ہے۔

پس معزز قارئین ہم اپنی اسلامی کوششوں کو جاری رکھنے کے ضمن میں آپ کی خدمت میں یہ کتابچہ پیش کر رہے ہیں جو اس اہم موضوع پر کچھ روشنی ڈالتا ہے تاکہ اُمّت اپنی پیش رو حیثیت پر واپس آکر اپنی ذمہ داری کو پورا کرے اور خدا کی توفیق و ہدایت سے آیۂ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس کا مصداق ہو جائے اور یہ اللہ کے لئے مشکل بھی نہیں ہے۔

پروردگار سے ہماری دعا ہے کہ وہ قارئین کرام کو بیان کردہ مطالب کو سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس ادنیٰ کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبولیت کا درجہ عطا فرمائے۔ (آمین) ناشر

نیکی کی ہدایت اور بدی سے روکنا ایک واجب عبادت ہے

(تم لوگوں میں ایک گروہ ایسا بھی ضرور ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلاتے ہوں، نیکی کی طرف ہدایت کرتے ہوں اور بدی سے روکتے ہوں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں) سورۂ آلِ عمران آیت ۱۰۴

معروف (نیکی) ہر اُس عمل کا نام ہے جس کی خوبی عقل یا شرع سے پہچانی جائے۔ اور منکر (بدی) وہ ہے جو اِن دونوں کے مطابق بُرا ہو۔

شریعت اسلام نے امر بالمعروف (نیکی کی ہدایت) اور نہی عن المنکر (بدی سے روکنا) کو واجب قرار دیا ہے اور اُس کو اسلامی عبادات میں سب سے اوّل اور مقدم مانا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کُل عبادات، قوانین، اخلاق، عقائد

اسلامی معاشرہ کی ساخت کو محفوظ رکھنے والی دیوار ہے اور اسی لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عبادت کے طور پر واجب قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا منشد شرابیت کی پاسداری اور پابندی ہے اور اس کی غرض انسان ... بندہ اور اللہ کے سامنے اسی کی بندگی کا اقرار ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نبیوں کا خاص عمل اور مرسلین کے لئے باعث جوابدہی رہا ہے۔ انبیاء انسانیت کی بہبود اور اس کو صحیح راہ پر چلنے کے لئے آتے تھے اور اسی لئے اس کی مسلسل پیروی انبیاء کے کردار عمل میں شامل تھی اور زندگی میں ان کے عظیم کاموں میں ممد و معاون رہتی تھی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند رہنے سے پیام الٰہی سے ناواقف افراد کے لئے تبلیغ پیام کا کام انجام پاتا ہے۔

---

(۱) راغب اصفہانی : معجم مفردات القرآن : مادہ : عرف

اسی کے ذریعہ گمراہ کی ہدایت ہوتی ہے۔

اور انسان نیک اعمال بجا لانے کی راہ پا لیتا ہے۔

اسی کے ذریعہ جھگڑے اور گڑبڑ کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔

اور اسی پر عمل کرتے رہنے سے ظلم، زیادتی اور تغلب کے خلاف آواز اٹھانے اور برسرپیکار ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

پس جب اس قانون کو بطور عبادت قرار دینے کا مقصد جھگڑے اور گڑبڑ کا دفع کرنا، فرد اور معاشرہ میں تبدیلی لانا اور معاشرہ کو بھلائی اور ترقی کی جانب گامزن کرنا ہے تو اس قانون کے لانے کی غایت ان مقاصد کے حاصل کرنے پر منحصر ہوئی۔ اسی لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب کفائی ہے۔

واجب کفائی وہ امرِ واجب ہے جس پر تمام مسلمان بحیثیت مجموعی عمل کرنے کے پابند ہوتے ہیں اور اُس کے ادا کرنے اور اس طرف متوجہ ہونے کی ذمہ داری اجمالاً تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے

چنانچہ ایک حدیث میں امام حسن عسکری ؑ نے اپنے آباءِ کرام صلوٰۃ اللہ علیہم سے اور انہوں نے اپنے جد امجد محمد رسُول اللہ ؐ سے روایت کی ہے کہ.

اللہ نے حضرت جبرئیلؑ کو وحی کی اور حکم دیا کہ فلاں بستی کو جو کافروں اور بدکاروں سے بھری پڑی تھی تہِ زمین کر دو۔ اِس پر اُنہوں نے کہا کہ اے پروردگار میں اِن سب کو تہِ زمین کئے دیتا ہوں سوائے فلاں مردِ زاہد کے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ نے اس شہر کے بارے میں کیا حکم دیا ہے۔ تب اللہ نے کہا کہ اس شخص کو اُن سب سے پہلے زیرِ زمین کر دو۔ تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ

اے پروردگار مجھے بھی آگاہ کردے کہ ایسا کیوں؟ جب کہ وہ شخص زاہد اور عابد ہے تو اللہ نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کو قوت عطا کی اور اس قابل بنایا لیکن وہ نہ نیکی کی ہدایت کرتا ہے نہ بُرائی سے روکتا ہے، اور میری غضبنا کی کے باوجود وہ اِن سے بہت محبت کرتا رہا ہے"

تب لوگوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہؐ ہمارا کیا ہوگا کیونکہ ہم جو برائیاں دیکھتے ہیں اُن سے اظہار نفرت پر قدرت نہیں رکھتے۔ اس پر رسُول اللہؐ نے فرمایا کہ "تم کو چاہئے کہ نیکی کی ہدایت کرتے رہو اور بدی سے روکتے رہو ورنہ تم سب کو عذاب الٰہی لپیٹ میں لے لیگا"۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے اُس کو چاہیئے کہ اُسے اپنی قوتِ بازو سے روکے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر اپنی زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے پس اس کے لئے یہی بہت ہے کہ اللہ اس کے دل کے بارے میں جان لے کہ وہ اس بدی کو ناپسند کرتا ہے۔

امام علیؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بیان فرمایا تو کہا:

اے لوگو اللہ نے اپنے بارے میں علماء (یہود) کی غلط توصیف پر اپنے اولیاء کو جو نصیحت فرمائی ہے اس سے سبق حاصل کرو۔ وہ کہتا ہے:

لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم۔

الربانیہ کا علم رکھنے والوں اور دوسرے علماء کو چاہیئے تھا کہ لوگوں کو غلط گوئی سے منع کریں۔

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِیسَی بنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنكَرٍ وعلوہ

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے ان پر (حضرت) داؤدؑ اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ

---

(۲) حرّ عاملی: الوسائل: ج ۶ ص ۴۰۳ طبع ۲۔

نافرمانی فرماتے تھے اور زیادتی کے مرتکب ہوتے
تھے۔ وُہ لوگ اپنے آپ کی ہوئی بدی سے باز
نہ آتے تھے۔ یقیناً بُرا تھا جو کچھ وہ کرتے تھے)
اللہ نے اِن پر یہ عیب اس لئے عاید کیا ہے
کہ یہ لوگ ظالموں کو بدی اور فساد کا ارتکاب کرتے
دیکھتے تھے لیکن ان فوائد کے باعث جو اِن کو اُن
سے حاصل ہوتے تھے اور اس وجہ سے کہ یہ
اُن سے ڈرتے تھے یہ لوگ اُن کو اس سے
روکتے نہیں تھے۔ حالانکہ اللہ کا کہنا ہے کہ:
فَلاَ تخشوا الناس واخشونی۔ (لوگوں سے
مت ڈرو۔ البتہ مجھ سے ڈرو)

نیز وہ کہتا ہے:۔

المومنون بعضھم اولیاء بعض یامرون
بالمعروف وینھون عن المنکر

مومنوں میں کچھ لوگ کچھ کے بہی خواہ ہیں۔ یہ
لوگ نیکی کی ہدایت کرتے رہتے ہیں)۔ پس اللہ
نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی جانب
سے ایک فریضہ قرار دے دیا کہ اگر یہ انجام پاتا
رہا اور جاری رہا تو تمام فرائض آسان ہوں یا

مشکل قائم رہیں گے۔ اس لیئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کی طرف ایسی دعوت دیتا ہے جس میں ظلم کا دفع کرنا، ظالم سے ٹکر لینا۔ موصولاتِ جنگ اور مال غنیمت کی تقسیم اور صدقات کو وصول کر کے مستحق کو پہنچانا شامل ہے۔ (۳)

امام محمد باقر علیہ السلام نے اسلام کے اس مقدس فریضہ کے متعلق گفتگو فرمائی اور کہا۔

"آخر زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہو گا جس کے لوگ دکھاوا کرنے والے ہوں گے۔ اگر نماز اُن کے تمام مالی اور جسمانی مفادات کو ضد پہنچاتی ہوتی تو وہ اس کو بھی اسی طرح ترک کر دیتے جیسے بلند ترین فریضہ کو ترک کر بیٹھیں گے۔ یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہ عظیم فریضہ ہے جس کی بدولت تمام فرائض قائم ہوتے ہیں۔ ایسے میں اُن لوگوں پر اللہ کا غضب پوری طرح آپڑتا ہے اور اُن کو اللہ کے عقاب میں لپیٹ لیتا ہے۔ چنانچہ بد عمل افراد کے ساتھ نیک عمل افراد بھی تباہ ہو جاتے ہیں اور بڑوں کے ساتھ چھوٹے بھی۔ یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

---

(۳) سابق حوالہ صـ ۲۰۴

انبیاء کا راستہ اور نیکو کاروں کا طریقۂ کار
ہے۔ یہ وہ عظیم فریضہ ہے جس سے تمام
فرائض قائم ہوتے ہیں۔ مذہب صحیح وسالم
رہتے ہیں، منافع حلال رہتے ہیں، ظلم دفع
کئے جاتے ہیں، زمین بستی رہتی اور دشمنوں
سے بے دخل رہتی ہے اور معاملہ درست
رہتا ہے۔ (۴)

اس طرح ہم پر اس فرض عبادت کی اہمیت، اس وجوب کا پُرتاکید ہونا اور اُس کے جاری رکھنے اور اُس پر قائم رہنے کے لئے شریعت اسلام کی شدید خواہش واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ پیام الٰہی کا ایسا کارگر آلہ ہے جس سے اسلام کا پیام ربانی فرد اور معاشرہ کی تعمیر کے لئے مدد لیتا ہے۔ اور ایسا ضابطہ اور کھلا ہوا ذریعہ ہے جو اسلامی معاشرہ کی نگہبانی کرتا ہے اور اس کو بربادی اور تباہی کے عوامل سے محفوظ رکھتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب ہم اُمّت اسلامیہ کے حالات اس میں آثار تنزل کے اسباب اور اس سے روکش ہونے کی وجوہات اور تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں تو اس فریضہ کی اہمیت اور بھی اُبھر آتی ہے۔

---

(۴) سابق حوالہ ص ۳۹۴

پس اگر ہم اس ذمہ داری پر برابر عمل پیرا رہتے اور اُس کے ادا کرنے میں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ کام کرتے تو کبھی بھی خرابی اور روکشی زور نہ پکڑ پاتی اور ہماری مقدس زمین پر جو قابل نفرین انتشار نمودار ہوا تھا اُس کو ابتداء ہی میں جڑ سے اکھاڑ پھینکا جا سکتا تھا۔

لیکن اس فریضہ کے ادا کرنے میں ہماری سُست روی اور اس عظیم ذمہ داری پر عمل پیرا رہنے سے ہماری پہلو تہی کے باعث بہتری اور تعمیر کا بڑا موقع ضائع ہو گیا اور فسادات اور غفلت کے نمودار ہونے، پھیلنے اور بڑھتے رہنے کے لئے اس درجہ وسیع میدان پیدا ہو گیا کہ اس کے ساتھ ہی اسلامی زندگی کی خصوصیات ضائع ہو گئیں اور اُس کے آثار مٹ گئے۔ پس اس میں تبدیلی اور اصلاح ایک دشوار کام اور مشکل مسئلہ ہو گیا۔ جب یہ بے پروائی اور بے راہ روی قائم ہو گئی اور ایک عرصہ یونہی گزر گیا تو معاشرہ نے اس کے وجود کو اس حد تک اپنا لیا کہ تبدیلی اور اصلاح کا عمل عجیب لگنے لگا۔

بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اگر کوئی فساد کو ختم کرنے اور عدم توجہ کو دُور کرنے کی طرف دعوت دے تو اُس پر حیرت کی جاتی ہے۔ نیز اس کے خلاف محاذ قائم ہو جاتا ہے کیونکہ ان خلاف اسلام اعمال کے لئے جماعتیں اور ادارے قائم ہو گئے ہیں اور حکومتیں ان کی پشت پناہی اور بچاؤ کرتی ہیں جب اُمت مسلمہ پر ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے تو معاشرہ اس مُضر ماحول سے مانوس ہو جاتا ہے اور ان کو قدم بہ قدم اور منزل بہ منزل قبول

کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس اجتماعی اور تمدنی عمل کے زیر اثر جو اس کی زندگی کے چاروں طرف حائل ہوتا ہے اپنے آپ کو بے بس پانے لگتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ ہم یہ نہ بھولیں کہ فساد کے پھیلنے، سرکشی اور راہ روی کی طاقتوں کے تسلط اور مسلمانوں پر چھائے ہوئے سکوت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمانوں کے ضمیر بالکل ہی مردہ ہو چکے ہیں یا ان میں احساس کا اس قدر فقدان ہے کہ تبدیلی کے دروازے بالکل بند ہو گئے ہیں۔

اسی لئے جو کوئی اس وقت اُمتِ اسلامیہ کی ذہنی، سیاسی اور فکری حالت کا مطالعہ کرنا چاہے گا وہ بے اطمینانی کی فضا پائے گا، اظہارِ مخالفت کی آوازیں سُنے گا اور ساتھ ہی اصلاح کی ایسی تحریکیں دیکھے گا جو اسلام کی طرف پلٹنے اور انسانی زندگی اور معاشرہ کو اسلام اور اس کی شریعت کی راہ پر قائم کرنے کے لئے صدا بلند کر رہی ہوں گی۔

باوجود اس کے کہ اسلام کے دشمن ہوش مندی کی روح کو ختم اور نورِ ہدایت کے سرچشموں پر بندشیں عائد کرنے کے لئے ایسے عقائد اور نظریات جو اسلام کی جگہ رائج ہو سکیں تیار کرنے کی زبردست کوششیں کرتے رہتے ہیں، پھر بھی ان کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی اور وہ ایسا ذہنی، فکری اور قانونی سکون پیدا نہیں کر سکتے جس کی جستجو مسلمان کرتے رہتے ہیں اور نہ ہی وہ ان زوال پذیر اجتماعی حالات میں تبدیلی یا اصلاح کرنے کی قوت رکھتے ہیں جو اُن کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ طبیعتاً روحِ اصلاح رکھتے ہی نہیں اور نہ یہ اُن کا مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کے تمام

نظریات ایک خاص سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تیار کیئے جاتے ہیں اور اس سے اُن کا مقصود اُمّت اسلامیہ کی راہِ عمل میں رکاوٹ ڈالنا اور مسلمانوں کے عقائدی اور تمدّنی ڈھانچہ کو منہدم کرنا ہوتا ہے۔

امر و نہی اور آزادی

عالم اسلام مغرب و مشرق کے طرزِ فکر کی موجودہ لہر سے خطرناک طور پر متاثر ہوا ہے۔ اس تاثر کا خطرناک ہونا دو بنیادی نقطوں میں پوشیدہ ہے جو یہ ہیں:۔

(۱) مسلمانوں کی ثقافت کے معاملہ میں فکری پختگی سے محرومی اور سیاسی اور جماعتی سوجھ بوجھ کے فقدان کی بدولت اِن افکار اور تصوّرات کو بلا سوچے سمجھے اور بغیر کسی تامل کے قبول کر لینا۔

(۲) وہ غلط تصوّرات جن کی بدولت یہ لوگ اجنبی طرزِ فکر اور ثقافت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ وہ۔ اِس ثقافت اور ان خیالات کے برتر ہونے کا تصوّر اور اس کا مقابلہ کرنے میں خامی اور کمی کا احساس۔ اسی وجہ سے یہ لوگ کمرہ جماعت کے اندازِ خیال

کھنے اور ان کے نظریات کی چھان کرنے کی بجائے منفی طرز فکر
اختیار کرلیتے ہیں۔ ایک اور بات جو اس موج کو پُرخطر بنانے میں بنیادی
اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس بنیادی اختلاف کو نہیں
سمجھتے جو اِن اجنبی نظریات، خصوصاً زندگی کے بارے میں ان کے
بنیادوں اور اِنہی احکام کے مابین پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ انہی
نظریات کو اختیار کرلیتے ہیں، انہی کی طرف دعوت دینے لگتے ہیں اور
ان کے حق میں آواز اُٹھاتے اور خطرات کو سمجھتے ہی نہیں جو اِن
سے اسلام کو، اُس کے معاشرہ کو، اور اُس کے اُن تصورات کو
لاحق ہوتا ہے جن کے ذریعہ وہ انسان اور حیاتِ انسانی کو ایک مستحکم
و منضبط شکل دینا چاہتا ہے۔

انہی تصورات میں سے ایک تصور جسے ہماری اُمّت کے بیشتر
افراد نے بلا غور و تامل قبول کرلیا ہے۔ آزادی کا وہ غیر واضح تصور
ہے جس کی بنیاد پر یورپ نے تمدن اور حیات بشری کے قوانین تیار
کئے ہیں۔ اِسی تصور کا نتیجہ "سرمایہ دارانہ نظام" ہے جس میں گوناگوں
خرابیاں ہیں اور اخلاقی، اجتماعی، اقتصادی، سیاسی رقابتیں ہیں
نظام اسلام کے لئے یورپ کی مسلح دخل اندازی اور فکری یلغار سے
ان کے رہنماؤں کی مسلسل یہ منصوبہ بندی ہے کہ اُن جراثیم کو جو اُن کے
معاشرہ میں پیدا ہو گئے ہیں مسلمانوں کے معاشرہ میں داخل کردیں تاکہ
اسلام کی اُن بنیادوں اور اُس کے وجود کی مضبوطی کو جس سے اس کو اُن سے

برتری حاصل ہے تباہ کردیں۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

(ان کی خواہش ہے کہ جیسے وہ کفر اختیار کئے

تم بھی کفر اختیار کرلو) سورۂ نساء آیت ۸۹

چنانچہ یورپی تصوّرِ آزادی ہماری اسلامی دنیا میں بھی در
بذاتِ خود آزادی کا تصوّر انسان کے لئے دلکش تصوّر ہے یہی ا
کا جوہر ہے اور تمام دیگر تصوّرات سے اور اُن تمام اجزاء سے
انسانیت مرکب ہے بالاتر ہے۔

جب ہم آزادی کے یورپی تصوّر کا جائزہ لیتے ہیں تو اس آزا
جائزہ نہیں لیتے جو ارادہ سے وابستہ ہو، اختیار کرنے کی قدر
مبنی ہو اور جس سے بندگی، ظلم اور استحصال کی پابندیوں سے
اور نجات مراد ہو۔ بلکہ ہم آزادی کے اس مفہوم پر معترض ہ
ہیں جو لاقانونیت اور ایسی ذہنی، اخلاقی اور جماعتی بے راہ رو
طرف کھینچ لے جاتی ہے اور جس سے انسانیت پر اندوہ و مصا
ٹوٹ پڑتے ہیں۔

یہ درست نہیں ہے کہ ہم اس طریقہ کو جس سے انسان عمل اور ج
سے کترانے لگتا ہے آزادی کا نام دیں۔ بلکہ یہ تو لاقانونیت اور بے
ہے۔ اسی لئے اسلام میں آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو آزادی
کا اور ایسا اجتماعی نظام اختیار کرنے کا حق دیا جائے جو زندگی کے ت

ے پاکیزہ مقاصد سے برسرِ پیکار نہ ہوتا ہو۔
زندگی کا اپنا ایک نظام ہوتا ہے اس کے ضابطے ہوتے ہیں جن پر
رہتی ہے۔ اس کے اپنے مقاصد اور اغراض ہوتے ہیں جن کی
وہ گامزن رہتی ہے۔ ان پر قائم رہے۔ بغیر انسان کے سفرِ زندگی
ابطگی نہیں پیدا ہو سکتی۔ پس نظامِ حیات کے بچاؤ اور اُس کے
پھولتے رہنے کی نگہداشت کے لئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ
بطوں اور اصولوں کا پابند رہے اور ان نظریات و تصورات سے باز
آزادی کی آڑ میں اُس کے لئے تباہی و بربادی کا سامان فراہم کریں
ں پر زیادتی کا کام کریں۔
ی لحاظ سے یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے میں انسان کا ایک
ے سے برتاؤ اور طرزِ عمل ان ہی اصولوں کی حفاظت کے خیال
انہی کی نگہداشت کی خاطر ہو۔
ں انسان کو ایسا حقِ عمل حاصل ہونے اور ان حدود میں نقطۂ نظر قائم
ہم آزادی" کا نام دیتے ہیں جو اس کے صحیح اجتماعی معنی کے مطابق ہے
لام آزادی اور ان اصولوں کے مابین جن پر معاشرے اور انسانی
ڈھانچہ کھڑا ہے ایسا رشتہ قائم کرتا ہے جو ضوابط اور اخلاق پر

لحاظ سے بنیادی طور پر انسانی طرزِ عمل کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں تاکہ
یا لئے بھرپور طریقہ پر درست شکل متعین ہو جائے اور اس کی

ئیں اپنا نقطۂ نظر اختیار کرنے اور جائز آزادی استعمال کرنے کے لئے
اور تمیز کی قوت حاصل ہو جائے۔

وہ قسمیں یہ ہیں:

۱۔ حرام یعنی جس کا کرنا انسان کے لئے جائز نہیں
اس کو اس پر عمل کرنے کا نہ حق ہے نہ آزادی، خواہ انفرادی عمل کا ہو
یا اجتماعی کا۔ کیونکہ ایسا عمل نظامِ انسانی کے خلاف سرکشی ہے اور
خوشحالی اور بھلائی کی تباہی ہے۔ مثلاً سود، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ
جنسی بدکاری، شراب نوشی، دروغ گوئی وغیرہ کیونکہ یہ غیر معقول ہوگا
کہ جو زندگی کی حفاظت کرنے اور انسانیت کی بھلائی کے لئے آیا
نظامِ حیات کے خلاف سرکشی کرنے اور اس کو برباد کرنے کی اجازت

۲۔ واجب حیاتِ انسانی کی بھلائی کا پہلو صرف
طرح تکمیل پذیر ہو سکتا ہے کہ انسان
اس پہلو کو تشکیل دینے والا ہے اس کی اور اس کے تمام اجزاء کی
کو اس قدرتی نمو اور ترقی کے قاعدوں کے مطابق ڈھالتا رہے۔ ا
لئے ضروری ہے کہ جب تک فرد کو حیاتِ انسانی کی تشکیل میں بانی
کی حیثیت حاصل ہے یہ کام اسی کو سونپا جائے کیونکہ اگر وہ اپنا بانی
عمل کرنے اور ذمہ داری پورا کرنے سے پہلو تہی کرے گا تو زندگی کی
کو لاقانونیت کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔ اسی لئے اسلام نے ا
کو "واجب" کا پابند قرار دیا ہے اور اس کو واجب کے پورا کرنے

آزادی اور حقِ اختیار نہیں دیا ہے سوائے ایسی حالت کے جب وہ اس امر کے انجام دینے سے عاجز ہو۔

۳۔ حلال (مباح، مستحب اور مکروہ)

ہر وہ عمل جس کا بجالانا اور ہر نقطۂ نظر جس کا اختیار کرنا ممکن ہے، "حلال ہے"۔ اسلام کی نظر میں اعمال کی یہ قسم آزادی اور قدرت کا اختیار کا فطری دائرۂ عمل ہے اسی لئے اسلام نے اس کے لئے کوئی حد قائم نہیں کی ہے۔ نہ اس کو کسی امر سے وابستہ کیا ہے۔ ان افعال کے بجالانے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی ہے سوائے اس صورت کے کہ جب وہ عمل جواز کی حد سے نکل کر فرد یا جماعت کے لئے نقصان دہ ہونے لگے۔ چنانچہ انسان غور و فکر کرتے ہیں، علم حاصل کرتے ہیں، اپنے لئے کام کی نوعیت کے انتخاب میں رہنے کا ٹھکانہ منتخب کرتے ہیں، بیوی یا شوہر کے انتخاب میں رہنے کے لئے بستی پسند کرنے اور سفر وغیرہ کرنے میں جب کہ مقررہ حد سے تجاوز نہ کرے (جو یہ ہے کہ واجب بجالایا جائے اور حرام کو ترک کیا جائے) آزاد و مختار ہے۔ نہ کسی انسان پر اس بارے میں کوئی زبردستی ہے اور نہ اسلامی قانون کسی فرد کے ذاتی معاملات میں جب کہ وہ حلال امر بجالا رہا ہو دخل اندازی کرتا ہے۔

اس گفتگو کے اختتام پر اب ہم ایک اہم نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور وہ ہے حلال کے بارے میں انسان کی شخصی آزادی کی حدود کا تعین اور

اسی سے ہم امر و نہی اور آزادی کے مابین رشتہ کو واضح کرسکیں گے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے ہی سے واجب اور حرام کی حدود کا تعین ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی فرد یا جماعت بنیادی عقائد، قواعد، اور ضوابطِ اخلاق کی مخالفت کرے گی تو وہ گمراہ کن طرزِ فکر اور عقیدے اختیار کرنے لگے گی یا حرام فعل کا ارتکاب کرے گی جیسے کہ شراب خوری، جنسی بدکاری، سود کا لین دین، ملاوٹ، جوئے بازی عورتوں کے پیچھے لگے رہنا وغیرہ۔ پس ایسے موقع پر ہر مسلمان پر بنیادی صورت سے واجب ہو جاتا ہے کہ ان حرام افعال سے روکنے اور اِن سے منع کرنے میں جلدی کرے۔ پس مسلمانوں میں سے کچھ افراد یا حکومت یا اداروں یا اجتماعی تنظیموں میں سے کوئی ایک ان حرام افعال، فساد اور روکشی کے مقابلہ پر کھڑی ہو جائے تو مسلمانوں پر سے پابندی ساکت ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر فساد اور روکشی سے بے اعتنائی برتی جائے اور کوئی اُس کے مقابلہ کے لئے نہ اُٹھے تو جواب دہی ہر اُس صاحبِ قدرت پر عائد رہتی ہے جس کو اس فساد اور ردکشی کا علم ہو جائے اور وہ خاموش رہے۔ ایسے موقع پر اُس شخص کو جو فعلِ حرام کا ارتکاب کرتا ہے یہ حق نہیں ہے کہ شخصی آزادی کا بہانہ اختیار کرے اور کسی یہ حق ہے کہ اُس سے باز رکھنے اور اُس کی مخالفت کرنے میں یہ کہہ کر دخل انداز ہو کہ یہ شخص تو اپنی ذاتی آزادی کے تحت عمل کر رہا ہے اور اس لئے کسی کو اُس کے اپنے ذاتی معاملہ میں دخل دینے

کا حق نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ آزادی کے معنی حیاتِ انسانی کے نظام کے خلاف سرکشی اور اس کے اچھے مقاصد کی تباہ کاری نہیں ہے۔ جب کہ ان پردہ پوشوں اور مخالفوں کے نزدیک آزادی کی وسعت کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس طریقہ سے رہیں کہ اُن کی پسندیدہ خواہشات کی برابر تکمیل ہوتی رہے۔ یہ نام نہاد آزادی دراصل فساد کے لئے میدان کو وسیع تر کرنے کے مترادف ہے اس طرح کہ وہ پورے معاشرے میں سرایت کرجائے اور یہ پردہ پوش مخالف خود تو اطمینان سے رہیں اور دوسروں کو نقصان اور تکلیف پہنچتی رہے۔ کیونکہ معاشرے میں کوئی شخص تنہا زندگی نہیں گزارتا بلکہ معاشرہ افراد کا ایسا مجموعہ ہے جو مضبوط رشتوں سے بندھا ہوا ہے۔ اسی لئے جب بھی ان افراد میں سے کوئی ایک فرد یا گروہ کسی واقعہ سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی لہریں معاشرہ کی پوری عمارت تک جا پہنچتی ہیں بالکل اسی طرح جیسے جسم انسانی کی حالت ہے۔

جب کوئی شخص یہ سرکشانہ اور مخالفانہ افعال کرتا ہے اور گناہ و فساد خیز اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے ضرر رساں نتیجے اس کی اپنی ذات تک محدود رہیں۔ چنانچہ وہ شراب پینا ہے تو اپنی ذات، خاندان کے افراد اور پورے معاشرہ کے خلاف گناہ کرتا ہے۔ اپنی جسمانی و اعصابی صحت کو تباہ کر کے، وقت اور مال ضائع کرنے اور پورے معاشرے پر اثر انداز ہونے والی اجتماعی اور اخلاقی نتائج کے ذریعہ سارے معاشرہ کے لئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ جسمانی بیماریاں جو شرابیوں اور عادی نشہ

خوروں کو لاحق ہوتی ہیں قانونِ وراثت کے تحت بچوں میں منتقل ہو جاتی ہیں اور اس طرح نشہ خور کے خاندان کو متاثر کرنے والی معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں کے علاوہ اس گناہ کا اثر جسمانی راستوں سے بچوں تک جا پہنچتا ہے۔

جو شخص جنسی بدکاری کا مرتکب ہوتا ہے اس کے گناہ کا اثر صرف اسی کی حد تک رُکا نہیں رہتا کیونکہ جنسی بدکاری خطرناک ترین اور گھُلا دینے والی جسمانی بیماریوں کا مولد ہے اور ایسے غیر قانونی بچوں کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہے جو پیدا ہو تو جاتے ہیں لیکن باپ سے اور ایسے افراد خانہ سے ناآشنا رہتے ہیں جو اُن کو ماں باپ دے سکیں۔ چنانچہ وہ پریشان خاطری احساس کمتری اور گناہوں کی زندگی گزارتے ہیں۔ یہی حال ہر اُس فعل کا ہے جو قانون اور اخلاق کے مخالفین کرتے ہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے ضرر خیز نتائج اور اثرات گناہ کرنے والے کے اپنے تئیں تک یا اس کی ذات تک یا اسی کی ذات کو نقصان پہنچانے تک محدود رہیں۔

اور یہی حال واجبات اور سماجی ذمہ داریوں کے ترک کرنے اور اُن کے بجالانے سے دریغ کرنے کا ہے کیونکہ جو شخص نماز ادا نہیں کرتا، زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنے بچوں کی تربیت کی طرف دھیان نہیں دیتا یا اپنے ازدواجی فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرتا ہے یا اِن افعال میں جو وہ سماج میں بجالاتا ہے خلوص اور ایمانداری سے کام نہیں لیتا وہ دراصل نظامِ زندگی کا مذاق اُڑاتا ہے دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اور اپنے فرائض کو بجا نہیں لاتا۔ اسی لئے افراد پر

نیز سماجی اداروں اور حکومت پر لازم ہے کہ (ان کو نیکیوں کی ہدایت کرکے) سیدھی راہ پر چلائے اور واجبات پر عمل کرنے کی ترغیب دے بلکہ اگر ممکن ہو تو ان کو ان واجبات پر عمل کرنے پر مجبور کرے۔ یہ ہدایت اصرار اور جبر فرد کی شخصی آزادی میں دخل اندازی نہیں ہے نہ اُس کی آزادی یا اس کے ذاتی معاملات میں حارج ہے۔ بلکہ یہ ایسا فعل جس کا مقصد قانون اور فائدہ کی حمایت ہے بلکہ یہی بذات خود آزادی ہے۔

کیونکہ قانون وضابطۂ اخلاق کی عدم موجودگی اور ذمہ داریوں سے عام پہلوتہی نیز فساد انگیزی، انسان کی آزادی اور زندگی میں اس کے اپنے حقوق کی پامالی ہے۔

رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس قول میں بے لگام آزادی کے استعمال کے اور معاشرہ کی بہبود اور انسانیت کی بھلائی کے درمیان رشتہ کی وضاحت فرمائی ہے۔

وہ اُس شخص کی مثال جو حدود الٰہیہ پر کاربند رہتا ہے اور وہ جو ان جو گر پڑتا ہے۔ ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں اس طرح ہوں کہ ان میں سے کچھ اس کے اُوپری حصّہ میں اور کچھ نچلے حصّہ میں ہوں۔ تو جب وہ لوگ جو اس کے نچلے حصّہ میں ہیں اِن لوگوں کے پاس سے گزریں) جو اس کے اُوپری حصّہ میں ہیں تو

کہیں کہ ہم چاہتے ہیں اپنے والے حصہ میں ایک
دراڑ کریں اور اُس کے ذریعہ سے پانی نکال
دیں اور اُن کو جو ہمارے اوپر ہیں کوئی گزند
نہ پہنچائیں گے۔ پس اگر اُن کو ایسا کر لینے دیا
جائے تو سب ہی ہلاک ہو جائیں گے لیکن اگر
روک دیا جائے تو سب نجات پالیں گے۔"

اس حدیث شریف نے فرد اور معاشرہ کے باہمی رشتہ کی تصدیق اور انسانی طرزِ عمل کے میدان میں انفرادیت اور علیحدگی پسندی کی تردید کردی ہے۔

کتنا سچ ہے اللہ کا یہ قول کہ

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا
مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

(اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو تم میں سے صرف
انہی لوگوں پر نہیں پڑے گا جو خاص کر ظلم کے
مرتکب ہوئے ہوں۔ اور یاد رکھو اللہ سخت
عذاب کرنے والا ہے۔) سورہ آیت ۲۵

اسی لئے سماج اور ایسے فرد کو جو رو گرداں
ہو اور اپنے آپ کے درپے ہو، گناہ، آزادروی
اور فساد کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے

"امر بالمعروف" کو امت اسلامیہ پر واجب کفائی قرار دیا گیا ہے۔

نبی الانسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ

"میری امت اس وقت تک اچھی حالت پر رہے گی جب تک لوگ نیکی کی ہدایت اور بدی سے روک ٹوک کرتے رہیں گے اور بھلائی کے معاملوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو برکتیں ان سے کنارہ کش ہو جائیں گی۔ وہ ایک دوسرے پر غالب ہوتے رہیں گے اور زمین و آسمان بھر میں کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا"

اسی لئے اللہ نے مومنوں کی توصیف میں فرمایا ہے کہ۔

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر۔۔۔

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں وہ نیکی کی ہدایت کرتے رہتے ہیں اور برائی سے روکتے رہتے ہیں۔ سورۃ توبہ آیت ۱۷

امر ونہی اور انقلاب

اسلام کا پیام ایک انقلابی پیام ہے جس کا مقصد زمانۂ جاہلیت کے حالات کو مٹانا اور فرد اور سماج کی زندگی سے ہر قسم کی بدعملی اور قانون شکنی کو دور کرنا ہے تاکہ انسان کی ذہنی، فکری و روحانی تعمیر کردار سازی کی بنیاد پر اور معاشرہ کی تعمیر اور، قانون کی بنیاد پر قائم کی جائے۔

اسلام نے فرد اور سماج کی اور حیاتِ انسانی اور تمدن کی ہیئت کی منصوبہ بندی ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے تحفظ اور بچاؤ کے ایسے طریقے بھی وضع کیے ہیں جو اس عمارت کو ٹوٹنے اور گر جانے سے بچا سکیں۔ نیز ایسی قانونی اور عبادتی احتیاطیں رائج کی ہیں کہ جب کبھی معاشرہ شکستہ ہونے لگے یا بے اعتدالی اور خطرے سے دوچار ہو تو اس کی از سرِ نو تعمیر کی جا سکے۔

ان احتیاطی تدابیر اور تحفظات میں سب سے زیادہ اہم ہے نیکی کی ہدایت کرتے رہنا، برائیوں اور اسلامی معاشرے میں قانون شکنی

کی صورتوں سے رد کرتے رہنا اور عمارت کو اصلی اسلامی بنیادوں پر تعمیر کرنا۔
اسی لئے سنتِ نبویہ نے اس کو انقلابی عمل کہا ہے جس کا مقصد فرد اور
سماج کو انقلاب سے دوچار کرنا ہے۔ چنانچہ یہ زبانی نصیحت، یا خالی خولی
ادا کر دیئے جانے والے فقرے یا منفی نقطۂ نظر نہیں ہے کیونکہ قانونی پابندیاں
واجب العمل ہوتی ہیں اور اُن کا مقصود خرابیوں اور قانون شکنی کو جڑ سے
اکھاڑ پھینکنا اور اُس کی جگہ اسلامی عدل قائم کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ
واجب کفائی ہے جو عام مسلمانوں پر سے اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا
جب تک کچھ لوگ اس پر عمل نہ کرنے لگیں اور انقلاب [illegible] نہ ہو جائے
اور اسی لئے احادیث نبوی میں اس کے بارے میں بکثرت موقعوں پر
کہا گیا ہے کہ یہ انقلابی عمل ہے۔ ان احادیث میں سے
ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں

"اگر تم میں [illegible] کوئی دیکھے کہ ایک [illegible] فرمانروا
اللہ کے حرام کو حلال قرار دے رہا ہے اور عہد الٰہی کو
توڑ رہا ہے اور بندگانِ الٰہی کے ساتھ ظلم و زیادتی
سے پیش آرہا ہے اور اس کو اپنے فعل یا قول
کے ذریعہ نہ روکے تو اللہ کو یہ حق ہوگا کہ ایسے
شخص کو اُسی فرمانروا جیسا صلہ دے"۔ (۶)

"اگر کوئی گروہ اپنے سامنے برائیاں ہوتے
دیکھے اور اُن کو بدلنے سے پہلو تہی کرے

تو ضرور ہے کہ اللہ ان سب پر اُسی شخص جیسا عذاب نازل کرے"۔ (۷)

"اگر کوئی بندہ چھُپ کر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کا ضرر صرف ارتکاب کرنے والے کو ہوتا ہے لیکن اگر اس کا ارتکاب کھُلے بندوں کرتا ہے اور اُس کو ٹوکا نہ جائے تو اس کا ضرر عوام تک پھیل جاتا ہے"۔ (۸)

"یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی باایمان آنکھ اللہ کی نافرمانی ہوتے دیکھے اور چشم پوشی کرلے بلکہ اُسے کو روک دینا چاہیئے"۔ (۹)

"اگر چند خاص افراد چھُپ چھُپاتے عوام کو علم ہوئے بغیر برائیوں کا ارتکاب کریں تو اللہ ان خاص افراد کے گناہوں کی بدولت عوام پر عذاب نازل نہیں کرے گا۔ ہاں اگر چند خاص افراد علانیہ برائیوں کا ارتکاب کرتے ہوں اور عوام اس کو نہ روکیں تو دونوں ہی اللہ کی طرف سے عذاب کے مستحق قرار پاجائینگے"۔ (۱۰)

---

(۷) امام حسینؑ کی ردا ابنتِ رسولِ خداؐ سے۔ ابن اثیر تاریخ کامل ج ۱ ص

(۷ ۔ ۸ ۔ ۹ ۔ ۱۰) وسائل ۔ ج ۲ ۔ ص ۴۰۸ ۔ طبع ۲ ۔

اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک انقلابی عمل ہے جس کا
مقصد صحیح ایمانی بنار کی درستی کی محافظت ہے۔ اسی لیئے احادیث نبوی
میں ایسا طریقہ قائم کرنے کی تدبیر ملتی ہے جس سے مسلمانوں کی صفوں میں ذہنی
اور نفسیاتی فضا پیدا ہو جائے تاکہ مسلم فرد اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے
انقلابی عمل کو بروئے کار لانے اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتے ہی اس
کو مٹا دینے کے قابل ہو جائے۔ چنانچہ امام جعفر بن محمد صادق؏ اپنے آبائے
کرام سے اور وہ اپنے جدّ بزرگوار رسُول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے
آنحضرت کا یہ قول روایت فرماتے ہیں کہ:

"کیا حال ہو گا تمہارا جب تمہاری عورتیں
فساد میں پڑ جائیں گی اور تمہارے جوان بدکاری
پہ اُتر آئیں گے اور تم نیکیوں کی ہدایت نہ کرو گے
نہ برائیوں پر ٹوکو گے؟ کیا حال ہو گا تمہارا
جب تم خود ہی برائیوں پر اکساؤ گے اور
نیکیوں سے روکو گے۔ تب آنحضرت سے
کہا گیا کہ کیا ایسا ہو گا اے رسول اللہ؟ آنحضرت
نے فرمایا۔ ہاں۔ اس سے بھی زیادہ بُرا ہو گا۔
کیا حال ہو گا تمہارا جب تم دیکھو گے کہ نیکی
برائی بن گئی ہے اور بُرائی نیکی" (۱۱)

(۱۱) حر عاملی۔ الوسائل۔ ج ۶ صفحہ ۳۹۶۔ طبع ۲۔/ (۱۲) حوالہ سابق صفحہ ۳۹۷

امامؑ فرماتے ہیں کہ نبئ اکرمؐ نے فرمایا کہ:

"اللہ نفرت کرتا ہے اس کمزور مومن سے جس کا کوئی دین نہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ جو برائی سے نہ رکے" (۱۲)

اسی طرح کی اور بھی احادیث وارد ہوئی ہیں تاکہ فرد اور پوری جماعت معاشرہ میں بہتری اور انقلاب لانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے کو تیار رہے اور اگر مسلمان اس اہم اور عظیم اصلاحی اور انقلابی لائحہ پہ عمل پیرا ہوجائیں تو اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے معاشرہ کو تنزل اور تباہی سے محفوظ کرلیں تباہی سے محفوظ کرلیں اور اس کے لئے تمدنی اور عمرانی ترقی کے تمام ضروری اسباب مہیا کر دیں۔

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء کا راستہ اور نیکوکاروں کا طریقۂ عمل ہے۔ یہ وہ عظیم فریضہ ہے جس سے فرائض رائج رہتے ہیں۔ مذاہب امن پاتے ہیں، روزیاں حلال ہوتی ہیں، مظالم کو رد کیا جاتا ہے، زمین آباد ہوتی ہے۔ دشمنوں سے انصاف ملتا ہے اور معاملات درست رہتے ہیں"

امام محمد باقر علیہ السلام

---

(۱۱) حر عاملی۔ الوسائل۔ ج ۶۔ ص ۳۹۶۔ طبع ۲۔ / (۱۳) حوالہ سابق ص ۳۹۷

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط

چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک عبادی فریضہ ہے اس لئے شارع
اقدس نے اس کو واجب قرار دیا ہے اور عقل نے معاشرہ کی حفاظت نظام زندگی کے
بقاء اور انسانیت کی بہبود حاصل کرنے کے لیئے اس کی ضرورت کو پورا کر لیا ہے اور اسلام
نے امر و نہی کے احکام اور قانونی پابندیوں کا تعین کر دیا ہے۔ نیز امر و نہی کے درجہ بدرجہ
مراحل اور وہ فوائد جو امر و نہی پر عمل کرنیوالے کو حاصل ہوئے ہیں واضح کر دیئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس
مقدس فریضہ کے وجوب کی شرائط پیش کرتے ہیں تاکہ ہم اپنی ان
ذمہ داریوں اور واجبات سے آگاہ ہو جائیں جن میں انسانیت کی بہبود
اور بھلائی وابستہ ہے۔

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے کی ایک شرط یہ ہے
کہ اس پر عمل کرنے والے کو اتنی معرفت اور واقفیت ہو جس سے وہ منکر
اور معروف کی نشاندہی کر سکے اور ان افراد اور جماعتوں کو جانتا پہچانتا
ہو جن کی اصلاح و ہدایت وہ کر رہا ہے تاکہ ان کو برائیوں سے دور رکھے
اور نیکیوں پر عمل کرتے رہنے کی رغبت دلائے۔ اسی لیئے ان افراد اور
جماعتوں پر جو اس اہم کام میں منہمک ہوں واجب ہے کہ وہ فقہ اسلامی
ثقافت، معاشرہ کی مختلف صورتوں افراد اور جماعتوں کے حالات سے
مناسب حد تک واقفیت رکھتے ہوں تاکہ وہ ان اسباب اور عوامل
کو سمجھ سکیں جو فساد اور قانون شکنی پیدا کرتے ہیں اور اُن فکری، عملی

سی اور اجتماعی صورتوں کا ادراک رکھتے ہوں جن کو وہ بدلنا چاہتے ہیں کیونکہ
اگر ان کو شریعت کے احکام و قوانین کی اور فساد پیدا ہونے کی وجوہ اور اس
کے پھیلنے کے اسباب کی، نیز انقلاب لانے کے طریقوں اور اجتماعی کو منصوبوں
کے بروئے عمل لانے کی واضح واقفیت نہ ہو گی تو وہ عمارت کو گرا کر اس
کو اسلامی اور صحیح بنیادوں پر اس طرح تعمیر نہ کر سکیں گے جس سے وہ بات
اور عملی لحاظ سے مستحکم نتائج حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے
کہ: قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان
اللہ وما انا من المشرکین = (کہدے اے رسول۔ کہ میرا راستہ یہی ہے
میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو کوئی میری پیروی کرے دانشمندی سے
ہیں۔ اللہ کی ذات پاک ہے۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)

سورۂ یوسف آیت ۱۰۸

(۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے میں ایک شرط
یہ ہے کہ اس کے با اثر ہونے کا قوی امکان موجود ہو۔ پس اگر کوئی کسی برائی کو دیکھے
کسی نیکی کے کیے جانے میں خامی ملاحظہ کرے اور وہ اس کا قوی امکان نہیں سمجھتا کہ جو شخص
کا ارتکاب کر رہا ہے یا نیکی بجا لانے میں پہلو تہی کر رہا ہے کوئی اثر لے گا تو ایسے موقع
پر اس پر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے
اب جب کہ ہم تاثیر اور تبدیلی قبول کرنے کے امکان پر گفتگو کر رہے
ہیں ہمارے ذہن سے یہ بات نہ مٹنی چاہیئے کہ بیشتر افراد اپنے معاشرہ
میں اصلاح اور تبدیلی کے وجوب پر عمل کرنے سے اس کے با اثر نہ ہونے

کے امکان کے عذر کے تحت کنارہ کش رہتے ہیں حالانکہ صورت حالات اور شرائط کو پوری طرح بادر کرنے سے قاصر رہتے ہیں اسی لئے ہر تبدیلی لانے والے اور اصلاح کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ یہ طے کرنے سے پہلے کہ اثر کرنے کا امکان موجود نہیں ہے اصلاح کرنے اور تبدیلی لانے کے ہر ممکن اور جائز ذریعہ اور طریقہ کو پیش نظر رکھ کر غور کرے اور اپنی بساط بھر عمل کر کے دیکھ لے۔ البتہ اگر معاملہ صاف ہو جس میں غور و تامل کی ضرورت نہ ہو اور یقین ہو کہ تجربہ بے نتیجہ ثابت ہوگا تو ضروری نہیں ہے کہ تاثیر کے امکانات کو اس معین طرز اور معین طریقہ سے معلوم کیا جائے جس نیکی کی ہدایت کرنے والے اور بدی سے باز رکھنے والے عمل کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ اُن لوگوں کی جن کی اصلاح اور تبدیلی کی بات ہو رہی ہے ذہنیت ت فہم اور ان کو کج روی پر مائل کرنے والے عوامل فرد، خاندان اور زمانہ کے لحاظ سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ وسائل کی کثرت اور زمانہ ور حالات کے لحاظ سے طریقہ کار کا انتخاب ایک مسلمان کے لئے تاثیر قوی امکان پیش کرتی ہے اور اس عظیم اصلاحی ذمہ داری کو پورا کرنے آمادہ کرتی ہے۔

اور مسئلہ جو بیشتر مسلمانوں کے سامنے اصلاح اور تبدیلی نہ ہو سکنے اور کے خیال میں بااثر نہ ہونے کے سلسلے میں پیش آتا ہے وہ ایسے خیالات جو اس شخص کے ذہن میں ابھرتے ہیں جو اس ذمہ داری کے اٹھانے کے لئے کھڑے ہونے کی فکر میں ہو مثلاً مایوسی، اپنے اوپر عدم اعتماد،

دوسرے لوگوں کی طرف سے خوف، فساد کو بڑھتا ہوا دیکھ کر کوشش کو با
ہونے پر قادر نہ ہونا، قانون شکنی کی گہرائی، قبیلوں کی اور مخالفت کرنے والی
اسلام دشمن جماعتوں کی سرکشی۔ پس وہ ہمت ہار دیتا ہے اور ان دل تنگ
خیالات کے دباؤ میں ارادہ بدل کر رُخ موڑ لیتا ہے۔

اس طرح یہ دو شکلیں سامنے آتی ہیں۔ ایک طریقہ کار کا انتخاب
دوسرے اس شخص کی ذہنی کیفیت جو اصلاح کے واجب حکم پر عمل کر
جاتا ہے یہی وہ بنیادی سبب ہے جو اس مقدس شرعی فریضہ کے ادا کرنے میں روگردانی اور کوتا
کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اخلاقی، ثقافتی، اقتصادی، سیا
اور سماجی فساد پھیلنے کی صورت میں مسلمانوں میں بہت سے افراد سکو
اختیار کر لیتے ہیں اور عبادتی واجبات کی ادائیگی سے گریزاں رہتے ہیں

اسی لئے ان افراد کے لئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا
ہونے کے ارادہ مند ہوں لازم ہے کہ ایسی دانشمندی اور ہوشیاری
عمل پیرا ہوں کہ معاشرہ میں موجود ان بیماریوں کا علاج ہو سکے اور ان
جڑ سے اکھاڑ پھینکا جا سکے تاکہ صحیح طرزِ فہم فروغ پائے، ارادہ میں پختگ
پیدا ہو جائے اور ماحول ایسا پُرشگون ہو جائے جو ہمتوں کو بڑھائے اتبا
کے ارادہ کو تقویت پہنچائے، اُمّت کی توانائی کو فساد میں تبدیلی لانے
کے لئے منظم کرلے اور زندگی کو صحیح اسلامی بنیادوں پر تعمیر کر کے اسلام کو مستقل
طور پر قائم رکھنے کے لئے نگہداشت کا انتظام کرے۔

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے میں ایک شر

ہے کہ وہ شخص جس کو نیکی کی تاکید یا بدی سے روکنا ہو وہ ایسا ہو جو حرام عمل کے ارتکاب اور واجبات کے ترک کرنے میں اصرار کرتا ہو پس اگر وہ شخص ایسا ہے کہ ان پر اصرار نہیں کرتا بلکہ توبہ کر لیتا ہے اور خود اپنے ارادہ ہی سے اپنے کو بدل لیتا ہے تو ایسے شخص پر امر و نہی کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے کی بنیادی غرض اس پر عمل کئے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہے۔

(۴) امر و نہی کے ذریعہ اصلاح و تبدیلی کے وجوب کی ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے نتائج اس فرد یا جماعت کے لئے جو امر و نہی بجا لا رہے ہوں یا دوسرے مسلمانوں کے لئے ایسا نقصان نہ پہنچائیں جو اُن اصلاحی نتائج کے مقابلہ میں زیادہ ہو جن کی توقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے سے ہوتی ہو۔

البتہ اگر تبدیلی اور اصلاح کا انحصار اس فریضہ کو انجام دینے والوں یا دوسروں کے لئے مالی یا جانی نقصان پر ہو جیسے قتل، قید یا شہر بدری وغیرہ تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اگر ایسا کرنے سے مثبت نتائج اور اصلاحی فوائد کا حاصل ہونا یقینی ہو تو قربانی دیں اور اذیت اور شدائد کو برداشت کریں۔ اسی لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضوں کو انجام دینے والوں پر لازم ہے کہ وہ ان تمام حالات اور صورتوں کا نیز ان اقدامات کا جن کو اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہوں اور ردِ عمل کی اُن تمام صورتوں کا جو اُن کے عمل کے نتیجہ میں رونما ہو سکتی ہوں

اُنکا تجزیہ کرلیں۔ پس اگر اُن کے نزدیک تاثیر اور تبدیلی قابل ترجیح ہو ا
اور اُن کو صحیح نتائج کے پیدا ہونے پر اطمینان ہو تو ایسی صورت میں ا
پر واجب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے کے لئے
اُٹھ کھڑے ہوں خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور کیسی
قربانی دینا پڑے اِس کے لئے اُس قربانی سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے
اُمّت کی اصلاح کرنے اور فساد میں انقلاب لانے کے لئے امام حسین
بن علی علیہ السلام نے اپنی جان، اپنے اہل بیت، اپنے اصحاب اور
مال کے ذریعہ پیش کی۔

البتہ اگر یہ اقدام قابل اختیار نہ ہو، اس کے منفی نتائج اور نقصانات
اس کے مثبت نتائج اور اصلاحی اثرات سے زیادہ ہوں، اس پر عمل کرنے
سے نقصان پہنچنے کے امکانات زیادہ ہوں اور اس میں انہماک سے کوئی انقلابی
نتیجہ بر آمد ہونے کی امید نہ ہو تو جب تک اس کے نتائج خلافِ مقصد اور اثرات
منفی ہوں ایسے اقدام کو اختیار کرنے کے بجائے اِس سے کنارہ کش رہنا زیادہ اچھا
ہوگا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اس کے منفی اثرات صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
پر عمل کرنے والوں ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہو کر
ان کے دلوں میں مایوسی پیدا کریں اور گمراہی اور فساد کی قوتوں کو پھیلنے اور قائم
رہنے میں تقویت پہنچائیں۔

اس مقام پر جب کہ ہم امر و نہی پر عمل کے نتائج کے بارے میں گفتگو کر رہے
ہیں یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ ہم خبردار کر دیں کہ ضروری نہیں ہے کہ امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے کے نتائج اقدام کرنے والے فرد یا گروہ کو فوری طور پر متاثر کر دیں بلکہ یہ نتائج بڑا وقت چاہتے ہیں تاکہ انقلابی عوامل پر انسانی فطرت اور موضوع کی نوعیت اپنے اثرات اور نتائج ڈال سکیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اقدام سخت حالات میں ایسی فوری تبدیلی نہیں لا سکتا جس سے خرابی دور ہو جائے اور بے راہ روی کی جڑوں کو نکال پھینک کر اصلی اسلامی طرز کی عمارت بن جائے۔ اس کے برعکس یہ ضرور ہے کہ رائج الوقت سماجی اور انفرادی حالات میں انقلاب لانے والوں اور اصلاح کرنے والوں کو بڑی بڑی قربانیوں مالی اور جانی نقصانات سے سابقہ پڑتا ہے۔ البتہ یہ کوشش زمانۂ بعید کے لئے قوم کے جمود کو متحرک بنانے اور اس میں روح بیداری پھونکنے کے لئے تخم ریزی کا کام کرتی ہے۔ پس وہی قربانی جو خرابی کی صورتوں اور بے راہ روی کو بات خود دور نہ کر سکی ہو اصلاحی اور انقلابی عوامل کو متحرک کرنے اور قوت بخشنے کا ذریعہ بن جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے امام حسین بن علی بن ابی طالبؑ کے اقدام کی صورت تھی۔ چنانچہ ایسی صورت میں انسان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب فعل کو استطاعت بھر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اصلاح اور تبدیلی کی غرض سے بھی اور اس غرض سے بھی کہ اللہ کی بات اونچی اور گمراہوں اور سرکشوں کی بات نیچی رہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ کار

اس کوشش کی بار آوری میں جو مصلح حضرات اور انقلاب لانے والے کرتے ہیں، سوچنے کے طرز اور تبدیلی لانے کے طریقۂ کار کا برابر کا عملی حصہ ہوتا ہے۔ پس اگر طریقۂ کار کامیاب اور ذریعہ اطمینان بخش ہو تو اس کا اثر بھی بیش از بیش کامیاب ہوگا اور تبدیلی بھی اثر کے لحاظ سے گہری ہوگی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک فرد یا گروہ ایسا طرز اختیار کرتا ہے جو بظاہر اصلاح اور تبدیلی کے لئے مددگار معلوم ہوتا ہے۔ کہ لیکن وہ لوگ نہ کامیابی حاصل کر پاتے ہیں اور نہ ہی خود نقصان اور ایذا سے محفوظ رہتے ہیں. جب کہ دوسرے افراد یا گروہ خاص اسی میدان اور دائرہ میں دلجمعی سے کام کرتے ہیں اور عظیم کامیابی حاصل کرتے ہیں اور بغیر اس کے کہ ان کو کوئی نقصان یا گزند پہنچے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں.

پس طریقۂ کار کو استعمال میں لانے کی خوبی اور امکانات اور صلاحیتوں کو کام میں لانے کی خوبی ہے جو کوشش اور وقت میں وسعت پیدا کرتی ہے اور جس سے

مقاصد کے حصول اور کامیابی میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

دورِ حاضر میں جو منصوبہ بندی، تنظیم اور طرز عمل میں حصولِ کمال کا دور ہے یہ ہمارے امکان میں نہیں ہے کہ ہم برتر طرزِ عمل اور کارکردگی اور باضابطہ طریقہ کار کے علاوہ کسی اور طرح اصلاح اور سماجی تبدیلی کا کام شروع کریں اور کسی اور طریقہ سے تخریبی عوامل اور اسلام دشمن تمدن کا مقابلہ کریں تاکہ تبدیلی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت روشن، ہوشمندانہ اور فہم و فراست کی بنیادوں پر قائم ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اِن آیات میں فرماتا ہے

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني وسبحان الله وما انا من المشركين ۝ (کہہ دیجئے۔ اے رسول۔ کہ میرا راستہ یہی۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس میں جو کوئی میری پیروی کرے دانشمندی پر ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہے۔ اور میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں) سورہ یوسف آیت ۱۰۸

ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن۔ (اے رسول۔ آپ اپنے اللہ کے راستہ کی طرف دانشمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلائیے اور لوگوں سے بہترین طریقے

ا

سے بحث و مباحثہ کیا کیجئے) سورۂ نحل آیت ۱۲۵

اور جیسا کہ درج ذیل احادیث میں ہدایت کی گئی ہے۔

"بغیر سمجھے ہوئے عمل کرنے والا راستے پر الٹی طرف چلنے والے کے مانند ہے۔ چلنے میں تیزی صرف اُس کی دُوری ہی کو بڑھاتی رہتی ہے" (۱۴)

- "ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے ہم لوگوں سے اُن کی سمجھ کے مطابق بات کیا کریں" (۱۵)

- "میں لوگوں کی دلجوئی پر مامور ہوں جس طرح میں پیام الٰہی پہنچانے پر مامور ہوں" (۱۶)

پس اسلام کے مطالب و افکار پیش کرنے، تبدیلی اور اصلاح پر عمل کرنے، اور اُس کی طرف دعوت دینے کے لئے مناسب طرز اور ریختہ کار اختیار کرنا ضروری ہے۔

ہمارا سابقہ ایسی دشمن قوتوں سے ہے جو اسلام کی مخالفت کرنے اور اس سے دشمنانہ برتاؤ کرنے کے لئے تمام وسیلے اور طریقے استعمال کر رہی ہیں چنانچہ انہوں نے ساز و سامان کو عقلوں کو، اہل دانش کو اور ماہرین کو اس کام پر مامور

---

(۱۴) حر عاملی۔ الوسائل۔ ج ۹۔ کتاب القضاء۔ ص ۱۲۔ طبع ۲۔

(۱۵) الحرانی۔ تحف العقول عن آل الرسول۔ ص ۳۲ طبع ۵۔

(۱۶) حوالہ سابق ص ۴۸

کر دیا ہے کہ وہ ان کے طرزِ فکر کی طرف دعوت دیتے رہیں تاکہ لوگ زندگی کی اس شکل کی نقل اتاریں اور وہی شکل اختیار کریں جس پر وہ خود ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اسلام کے طریقوں کے بنیادی اصول واضح ہیں اور کسی خاص نوعیت تک محدود نہیں ہیں۔ اس لئے اس کا دروازہ اصلاح کرنے والوں اور اس کی طرف دعوت والوں کے لئے کھلا ہوا ہے تاکہ وقت اور حالات کی روشنی میں جو وسیلہ اور اسلوب مناسب خیال کریں اس کو اختیار کریں۔

اوپر بیان کی ہوئی دونوں آیتوں اور اُن کی ہم مضمون احادیث پر پلٹ کر نظر ڈالنے اور ان بنیادی قاعدوں کے معنی اور مافیہا پر غور کرنے سے ہم خوب سمجھ سکتے ہیں کہ تبدیلی اور اصلاح کے اسلوبوں میں سے کسی بھی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے دو بنیادی قاعدوں کا خیال رکھنا ضروری ہیں وہ قاعدے یہ ہیں:-

۱۔ التزام

التزام سے مراد یہ ہے کہ جو اسلوب اپنایا جائے وہ شریعتِ اسلامی کے احکام اور اس کے بلند مرتبہ اخلاقیات کے منافی نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اس طرح سے ہونی چاہیئے کہ اس کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔

پس اسلامی نظریات اور شرعی احکام میں یہ قاعدہ رائج نہیں ہے کہ مقصد ہر ذریعہ اصول کو جائز بنا دیتا ہے بلکہ اسلام کی طرف دعوت دینے والوں کے لئے یہ جائزہ نہیں ہے کہ اپنے ذریعوں اور اسلوبوں میں شرعی نظریوں اور احکام سے روگرداں رہیں۔ کیونکہ انسان کے مصروفِ عمل ہونے کے دوران

بھی حکم شرعی کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے جیسے دوسرے انسانی افعال اور موقعوں پر ہوتا ہے۔

تاریخ ہم کو ایک ایسے اسلامی شریفانہ موقف کا ذکر سناتی ہے جو مقصد اور ذریعہ کے مابین التزام اور رشتہ کو واضح کرتا ہے اور جو امام علیؑ نے اس وقت اختیار فرمایا تھا جب آپ کے چند اصحاب نے یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ بھی وہی طرز عمل اختیار فرمائیے جو معاویہ نے کیا تھا یعنی سربرآوردہ لوگوں اور اُن کے قائدین کو حاصل کرنے اور اُن کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے مال اور تحفے دیا کریں۔ چنانچہ اُن لوگوں نے آپ سے کہا تھا کہ

"آپ یہ مال دیجیئے، شرفاء کو اور اُن افراد کو جن کی مخالفت اور علیحدگی سے آپ کو خوف ہو ذرا زیادہ دیجیئے۔ البتہ جب آپ کے معاملات اس طرح درست ہو جائیں جیسا آپ چاہتے ہیں تو آپ رعایا میں عدل گستری اور تقسیم میں برابری کے اسی پسندیدہ ترین طریقہ کو پھر سے اختیار فرما لیجیئے گا جس پر آپ پہلے عمل پیرا تھے۔"

لیکن امام علیہ السلام نے یہ مشورہ ٹھکرا دیا اور اُن لوگوں کو یہ جواب دیا کہ :-

"کیا تم لوگ مجھ کو یہ حکم دے رہے ہو کہ میں انہی

اہل اسلام پر ظلم ڈھا کر کامیابی حاصل کروں
جن پر میں حاکم بنایا گیا ہوں۔ قسم بخدا جب
تک جاگنے والے جاگتے ہیں اور آسمان میں
ایک ستارہ دوسرے کا تعاقب کر رہا ہے
میں ہرگز یہ طریقہ اختیار نہ کروں گا۔ اگر ان
لوگوں کا مال میرا ہی مال ہوتا تب بھی میں
اُن کے درمیان برابر ہی تقسیم کرتا چہ جائیکہ
یہ سب مال تو ہیں ہی اُن لوگوں کے!"

اتباع الحکمۃ یعنی دانشمندی کے ساتھ عملدر آمد۔ یہاں دانشمندی سے مراد وہ اسلوب عمل اختیار کرنا جو اُن موقعوں، حالات اور اشخاص کے لیئے مناسب ہو جن کی اصلاح اور تبدیلی کا ارادہ ہے۔

شریعت اسلامی نے چند مراتب مقرر کر دیئے ہیں جن پر درجہ بدرجہ عمل کرنا، تخریب اور بے راہ روی کا مقابلہ کرنے کے لیئے حق و انصاف کو قائم کرنے کے لیئے، حق و انصاف کو قائم کرنے کے لیئے عملی کارروائیوں کو مستحکم کرنے کے لیئے اور انسان کے سفرِ زندگی کو صحیح رکھنے کے لیئے ہر نیکی کی ہدایت کرنے والے اور برائی سے روکنے والے کے لیئے ضروری ہے، نیز اُس پر لازم ہے کہ ایسا مناسب موقف اور مرتبہ اختیار کرے جو حکمت اور التزام کے اصول کے مطابق اصلاح اور تبدیلی بروئے کار لاسکے۔

وہ مراتب جن کا حق استعمال شارع مقدس نے دیا ہے یہ ہیں:۔

(۱) ذہنی احساس کا پیدا کرنا۔ یعنی منفی ذہنی طریقہ کے ذریعہ سے ایسا ذہنی احساس پیدا کر دینا جس سے فعلِ واجب ترک کرنے والے کو یا فعل حرام کرنے والے کو ناپسندیدگی اور ناخوشی کا علم ہو جائے۔

لوگوں میں ایسے حساس اور باصلاحیت افراد بھی ہوتے ہیں جو اپنے موقف پر دوسروں کی ناپسندیدگی اور افعال پر ناخوشی کا احساس ہوتے ہی تبدیلی اختیار کر لیتے ہیں۔ البتہ یہ طریقہ کار صرف انفرادی اصلاح کے موقعوں میں کامیاب ہوتا ہے اور اجتماعی تاثیر کے میدان میں یہ طریقۂ کار موثر ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ یہ فرد واحد یا زیادہ افراد کے امکان میں نہیں ہے کہ اس طریقہ کار کو پورے سماج پر، حکومت پر اور سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی تنظیموں پر استعمال کر کے اُن کو متاثر کر سکیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ یہ طریقہ کار تقریباً افراد ہی تک محدود رہتا ہے۔

(۲) غور و فکر اور ذہانت کی گہرائی اور تیزی نیز کلام اور غور و فکر کو برائی کا مقابلہ کرنے کے لئے استعمال کرنا اور پہلا طریقہ ناکام ہونے کی صورت میں معاشرہ کے طبقات میں نیکی کو پھیلانا۔ کلام کا اپنا اثر ہوتا ہے اور اس کا دائرہ ایسا ہے جس میں بیشتر قوت و اقتدار حاصل نہیں کر سکتے۔ پس تحریر، شعر گوئی، فن تقریر، مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ تعلیم، راہ نمائی نشر علم کے وسیلوں، کتاب کتابچہ اور رسالے وغیرہ سب کے سب افراد اور جماعتوں کی حیثیت کو اُجاگر کرنے اور اصلاح و تبدیلی کا کام انجام دینے

کے لئے کامیاب طریقے ہیں۔ اللہ نے اپنی کتاب میں اس وسیلہ کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ وہ فرماتا ہے

● ــــ لاخیر فی کثیر من نجوٰیھم
الا من امر بصدقۃ او معروف
او اصلاح بین الناس ومن یفعل
ذالک ابتغاء مرضات اللہ فسوف
نؤتیہ اجرا عظیما ـ

(ان لوگوں کی بیشتر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے جب کوئی شخص صدقہ دینے کی یا نیکی کرنے کی یا لوگوں کے مابین مصالحت کی ہدایت کرے۔ پس جو کوئی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا تو ہم اس کو عنقریب اجرِ عظیم دیں گے)۔ سورۂ نساء آیت ۱۱۴

● ــــ الم تر کیف ضرب اللہ مثلا
کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ
اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء
تؤتی اکلھا کل حین باذن
ربھا ویضرب اللہ الامثال

للناس لعلهم يتذكرون

(اے رسول۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ
اللہ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال ایک پاکیزہ
پودے سے قائم کی ہے۔ اس کی جڑ
جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخ آسمان
میں ہے وہ اپنے رب کے آئین کے
مطابق ہمہ وقت اپنے پھل دیتا رہتا
ہے۔ اللہ لوگوں کے لئے مثالیں قائم کرتا
رہتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۳) کنارہ کشی اور قطع تعلق

اصلاح کرنے کا تبدیلی لانے کا تیسرا مرحلہ یہ ہے
کہ ہر اس شخص سے کنارہ کشی اور قطع تعلق اختیار کر لیا جائے جو
بدیوں کے ارتکاب میں منہمک رہتا ہو۔ پس ظالم حکومت پر،
ملاوٹ کرنے والے تاجر پر نیکیوں کے بنیادی اصولوں کی
اہانت کرنے والے شخص پر، شراب پینے والے اور رشوت
کھانے والے پر قطع تعلق عائد کیا جائے گا تو اس کو اجتماعی

شکنجہ کا احساس پیدا ہوگا اور اس کے لیے سانس لینا دوبھر ہو جائے گا۔ اب وہ یا تو مجبور ہو کر واپس ہو جائے گا یا اجتماعی ذلت کا شکار ہو جائے گا۔

چنانچہ اگر افرادِ ملت ظالم حکومت کا مقاطعہ کریں اور اس کے ساتھ تعاون کرنا، اس کے احکام کو نافذ کرنا اور اور اس کے محکمے میں نوکریاں اور عہدے قبول کرنا چھوڑ دیں تو یا وہ حکومت ٹوٹ جائے گی یا اپنے حالات کی اصلاح کر کے معاملات درست کر لے گی۔

یہی حال ایسے تاجر کا، اقتصادی اداروں کا اور کسبِ معاش کے ان تمام ذریعوں کا ہے جو غیر متناسب نفع خیزی، لالچ خوری، اور دوسروں کو نقصان پہونچانے کے طریقوں پر چل رہے ہوں۔ چنانچہ جب اُن کا مقاطعہ کر دیا جائے گا اور نہ اُن سے کچھ خریدا جائے گا نہ ان کے ہاتھ کچھ فروخت کیا جائے گا تو وہ مجبوراً ناکام ہو کر شکست کھا جائیں گے۔ یا اپنی حالت پر نظرِ ثانی کر کے اپنے طریقے اور لین دین کے قاعدے تبدیل کر دیں گے۔ اس طرح سے معاشرہ میں، با اقتدار گروہ میں اور مختلف اداروں میں انقلاب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے معاملہ میں رائے عامہ ایک کارگر ہتھیار بن جاتی ہے۔

۴۔ تشدد اور قوت کا استعمال: اصلاح کے میدان میں چوتھا مرحلہ ان لوگوں کے خلاف تشدد اور قوت کا استعمال کرنا ہے جو حرام افعال کے ارتکاب اور واجب افعال کے ترک کرنے پر مصر رہتے ہوں اور صلاح

اور تبدیلی کے طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ بھی ان پر اثرانداز نہ ہو بلکہ
نافرمانی، تباہ کاری اور فساد کے ان افعال میں منہمک رہتے ہوں۔ البتہ ا
طریقۂ عمل کے اختیار کرنے کے لیے کچھ شرائط اور قانونی ضابطے ہیں۔[۴] او
وہ یہ ہیں:-

۱۔ اسلام نے فعل حرام کے مرتکب اور فعل واجب کے ترک کرنے وا
کی اصلاح کے پہلے بیان کئے ہوئے طریقے ناکام ہونے کی صورت میں
پہنچانے کا حق دیا ہے۔ بشرطیکہ اس ضرب سے نہ زخم آئے نہ ہڈی ٹو
اگر ضرب لگانے سے خواہ عمداً یا سہواً ہڈی ٹوٹ جائے یا زخم آجائے تو امر با
اور نہی عن المنکر کا فعل بجا لانے کو نقصان رسیدہ شخص کو پہنچے ہو
نقصان کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اور ایسی حالت میں عمداً یا سہواً جرم کرنے
احکام جرم کی صورتِ حال کے مطابق منطبق ہوں گے۔

۲۔ شرعی حکومت یا اس کی نیابت کرنے والے کو فعل حرام کے ارتکا
کرنے والے یا فعلِ واجب کے ترک والے کو قتل کرتے یا اس کی اجا
دینے کا حق، صرف ایسی صورت میں حاصل ہے جب ایسا حکم منطبق ہوتا
اور ایسی حالت میں شرعی حکومت یا اس کے نائب پر نہ کوئی تاوان
جواب دہی۔

مر بالمعروف اور نہی عن المنکر
رعمل کرنے والے کے اوصاف

والمومنون والمومنات بعضھم
اولیاء بعض یامرون بالمعروف و
ینھون عن المنکر ویقیمون الصلوۃ
ویوتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ.
اولئک سیرحمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم۔

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں۔ یہ لوگ نیکی کی طرف ہدایت کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ قدرت والا، دانا ہے)۔

سورۂ توبہ آیت ۷۱

۲ المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض
یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف

ویقبضون ایدیھم ۔ نسو اللہ فنسیھم
ان المنافقین ھم الفاسقون ہ (منافق مرد
اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ یہ
لوگ برائی کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ نیکی سے
روکتے ہیں۔ اپنے ہاتھ کھینچے رہتے ہیں۔ اللہ
کو بھول گئے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے ان کو بھلا
رکھا ہے۔ بے شک منافق ہی بدکار ہیں)۔

سورۂ توبہ آیت ۶۷

قرآن کریم نے مومن (پابند اسلام شخصیت) کا وصف قرار دیا ہے کہ وہ ایسا شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقہ پر عمل کرتا ہے اور تبدیلی و اصلاح کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس منافق اور بدکار فساد پھیلاتا رہتا ہے اور بدعنوانی کو رواج دیتا ہے۔

پس مومن بھلائی اور اصلاح کا محرک ہے اور معاشرہ میں مثبت اثرات پیدا کرنے والا عنصر ہے۔

جبکہ بدکار اور منافق تباہ کاری، ویرانی اور فساد کا عنصر ہے۔ وہ معاشرہ کے جسم میں بیماری کے کیڑے پالتا اور پیہم ایسے منفی انداز میں متحرک رہتا ہے جو بھلائی اور اصلاح کی حرکت کو دور رکھے۔

پس ایسے شخص پر جو اس عظیم شرعی ذمہ داری کے لیے اٹھے لازم ہے کہ اپنے آپ کو ایسے کامیاب دعوت دینے والے کی صفات سے لیس کرے جو

اپنے طرزِ عمل اور طریقۂ کار میں رسول اللہؐ اور انبیاءؑ کی پیروی کرتا ہو۔ ظاہراً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے والے کی نمایاں ترین صفات یہ ہونگی

۱۔ شریعت اسلامی اور ان تمام حالات اور صورتوں پر جو اس کے میدانِ عمل سے متعلق ہوں گہری نظر اور ان کی معرفت تاکہ اس کے لیے تبدیلی کے عمل پر کاربند ہونا اور مناسب طرز اور طریقہ اختیار کرنا ممکن ہو سکے۔

۲۔ یہ کہ وہ خود پابندی اور عمل کرنے میں مثال ہو تاکہ اپنے طرزِ عمل اور اپنی شخصیت سے لوگوں پر اثر انداز ہو سکے قبل اس کے کہ ان کو اپنے کلام اور گفتگو سے مطمئن کرے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

کونوا دعاۃ للناس بغیر السنتکم، لیروا منکم الورع والاجتہاد والصلوٰۃ والخیر، فان ذالک داعیۃ ("انسانوں کے لیے اپنی زبانوں کے بغیر دعوت دینے والے بنو تاکہ لوگ تم میں خوفِ خدا، اجتہاد، نماز اور بھلائی دیکھیں۔ کیونکہ یہی باعثِ تحریک ہیں")۔[۱۸]

نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ:

انما یامر بالمعروف وینھی عن المنکر من کانت فیہ ثلاث خصال: عالم بما امر،

عالم بما نهى عنه فيما يامر، عادل فيما
ينهى، رفيق بما يامر، رفيق بما ينهى
(صرف وہ شخص نیکی کی ہدایت کرے اور برائی
سے روکے جس میں یہ تین خصلتیں موجود ہوں۔
جس چیز کی ہدایت کرے اس کو جانتا ہو۔
جس سے روکے اس کو جانتا ہو، جس چیز
کی ہدایت کرے اس میں میانہ روی رکھے
جس سے روکے اس میں میانہ روی رکھے۔
جس چیز کی ہدایت کرے اس میں مہربان
رہے۔ جس چیز سے روکے اس میں مہربان رہے"

۳۔ یہ کہ وہ اعلیٰ اخلاق رکھتا ہو اور اچھی ذاتی صفات کا حامل ہو جیسے انکساری، دانشمندی، قوت برداشت، بہادری، نفس اور قوت ارادی پر اعتماد، عزم کی پختگی، مایوسی نحوست اور لالچ سے بَری ہونا، وغیرہ تاکہ افراد اور جماعت کے ساتھ کام کر سکے اور واقعات اور حالات سے کامیابی اور بالادستی کے ساتھ نمٹ سکے۔

۴۔ یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل سے پیدا ہونے والے اثرات کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو اور اپنے آپ کو اس کے ہر ردّعمل کا سامنا کرنے کے لیے آمادہ رکھے۔

پس انقلاب کی طرف دعوت دینے والے اور امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر پر کاربند ہونے والے کے لیے لازمی ہے کہ وہ تکلیفوں اور مشقتوں سے دوچار ہونے کے لیے آمادہ رہے اور جب ضرورت ہو تو اپنے آرام، اپنے مال اور اپنی جان کی قربانی دے۔ یہی مصلحین کا طریقہ ہے اور یہی انبیاء کی اور بھلائی کی طرف تمام بلانے والوں کی سیرت رہی ہے قرآن نے مسلمانوں کے نفوس میں اس روح کو پیدا کرنے اور اس کی پرورش کرنے پر کیسی دُوررس توجہ دی ہے۔ چنانچہ قرآن کی پوری پوری کوشش ہے کہ جو کچھ راہِ حق میں لاحق ہو اس پر برابر تنظر یہ راہ رہا جائے اور مسلسل تیار رہا جائے تاکہ راہ میں حائل ہونے والی یا ہدایت اور بھلائی کی راہ پر چلنے سے روکنے والی کوئی شے اسے راہ سے ہٹا نہ سکے۔

قرآن کا یہ اہتمام امت میں بھلائی کی طرف بلانے والوں اور پیغام الٰہی کو لے کر چلنے والوں تیار کرنے کے لیے ہے کیوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک انقلابی عمل ہے اور انقلاب کو مخالفت اور مقابلہ سے دوچار ہونا ضروری ہے اور مقابلہ اور مخالفت کے لیے قربانی اور تکلیفوں پر صبر ضروری ہے۔ پس اگر مُصلح اور انقلاب لانے والے اس کے لیے ذہنی فکری اور عملی نقطۂ نظر سے تیاری نہ کریں گے تو ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ راستہ پالیں اور انقلاب کی راہ کامیابی سے طے کرسکیں۔ اسی لیے قرآن میں اس حقیقت کی تشریح اور ہر زمانہ میں حق و باطل کے مابین مقابلہ ہونے کا تاکید کے ساتھ ذکر موجود ہے:-

اللہ فرماتا ہے:-

ام حسبتم ان تدخلوا الجنه ولما
یاتکم مثل الذین خلو من قبلکم
مستھم البأساء والضراء وزلزلوا
حتیٰ یقول الرسول والذین آمنو
معہ متی نصر اللہ، الا ان نصر اللہ قریب ٥

(کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ تم جنت میں چلے
جاؤ گے حالانکہ تم کو اپنے سے پہلے گزرے
ہوئے لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی ہے۔
ان کو پریشانیاں اور مصیبتیں لاحق ہوئی
تھیں اور ان کو خوب جھنجھوڑا گیا تھا یہاں
تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان
لائے تھے کہہ پڑے کہ کب اللہ کی مدد آئے
گی۔ خبردار رہو اللہ کی مدد قریب ہے)

سورہ بقرہ آیت ۲۱۴

ولنبونکم حتی تعلم المجاہدین
منکم والصابرین ونبلوا اخبارکم ٥

(ہم ضرور تم کو آزمائش میں ڈالیں گے
تا اینکہ تم میں سے مجاہدوں اور صابروں کو
معلوم کرلیں۔ اور ہم تمہاری باتیں جانچ

لیں گے۔ سورہ محمد آیت ۳۱

یہ ایک ایسے کامیاب دعوت دینے والے کی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو اہم خصوصیتیں ہیں۔ پس اصلاح اور انقلاب کے میدان میں ہر عمل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ان صفات کو اپنائے اور اس میں یہ امکانات فراوانی سے موجود ہوں۔

قرآن کی صدا

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت
اید الناس لیذیقهم بعض الذی
عملو لعلهم یرجعون ٥ (خشکی
اور تری پر انسانوں کے اپنے ہاتھوں کئے
کی بدولت فساد نمودار ہو گیا تاکہ اللہ ان کو
ان کے کچھ کئے کا مزا چکھا دے۔ تاکہ وہ
باز آجائیں)۔

سورہ روم آیت ۴۱

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلمو منکم
خاصۃ واعلمو ان اللہ شدید العقاب ٥
(اس فتنے سے ڈرو جو تم میں سے صرف انھی
کو لاحق نہیں ہو گا جو ظلم کرتے رہے ہیں۔

اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

سورہ انفال آیت ۲۵

واذ قالت امة منهم لم تعظون قوما الله
مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا
قالو معذرة الى ربكم ولعلهم
يتقون ٥ فلما نسوا ما ذكروا به
انجينا الذين ينهون عن السوء واخذنا
الذين ظلموا بعذاب بئيس بما كانوا
يفسقون ٥ فلما عتوا عن ما نهوا عنه
قلنا لهم كونوا قردة خاسئين ٥

(جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایسوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب کرنے والا ہے تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے سامنے عذر پیش کرنے کے لیے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں۔ پھر جب وہ لوگ وہ نصیحت بھلا بیٹھے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو جو برائی سے روکتے تھے نجات دیدی۔ اور جو ظلم کرتے رہے تھے ان کو اس بدکاری کی بدولت جو وہ

کرتے رہے تھے بڑے عذاب میں ڈال دیا۔
جب وہ اس چیز پر جس سے ان کو روکا گیا
تھا سرکشی کرتے رہے تو ہم نے ان سے کہہ دیا
کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔

سورہ اعراف آیات ۱۶۴-۱۶۶

فلولا کان من القرون من قبلکم
اولوا بقیہ ینھون عن الفساد
فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منھم
واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ
وکانو مجرمین ہ وما کان ربک
لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون

(تم سے پہلے کی صدیوں میں ایسے ذی فہم
لوگ کیوں نہ تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد سے
روکتے۔ سوائے ان میں سے ان تھوڑے
سے لوگوں کے جن کو ہم نے نجات دیدی تھی۔
اور جو لوگ ظلم کے مرتکب تھے وہ اسی عیش
میں پڑے رہے جس میں ہم نے انھیں ڈال
دیا تھا۔ اور وہ خطاکار تھے۔ اور اللہ کسی بستی
کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا جبکہ اس کے باشندے

اصلاح کرنے والے ہوں)۔

سورہ ہود۔ آیات ۱۱۷ - ۱۱۶

ہم دیکھتے ہیں کہ اس قرآنی بیان میں جو فساد اور بدی، انسان کی اپنے عمل پر جواب دہی، اصلاح اور تبدیلی، اور اس کے لیے مصلحین کے طرزِ عمل ردّ و قبول اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کے بارے میں ہے۔ قرآن ہمارے سامنے اس زندگی اور معاشرے کی تصویرکشی کر رہا ہے جس میں فساد، پھوٹ کر بڑھتا رہتا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ اُن بُرے نتیجوں اور صورت حالات کو بیان کر رہا ہے جن کو انسان فساد اور روگردانی کے زیرِ سایہ پروان چڑھاتا رہتا ہے۔ پھر وہ گمراہ اور بھٹکی ہوئی حالتوں اور مشکلوں کے مقابل نظریوں اور عملی اقدامات کی تصویریں پیش کر رہا ہے۔

ان آیات میں جو اپنے واضح احکامات میں مختصر ہیں اور مضامین اور مطالب کے لحاظ سے بہرا حصل ہیں، قرآن انسان کی ذمہ داریوں کی واضح صورت پیش کرتا ہے اور اس کی جواب دہی اور وجوب کی حدبندی کرتا ہے۔ اور اس سب کے ساتھ ساتھ اجتماعی ادراک اور انسانی احساس کو بیدار کرتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ انسان فساد کو سہارا دینے لگے یا موجودہ صورتیں استقلال پکڑ لیں اور وہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کئے رہے۔

ان قرآنی آیات پر غور کرنے اور ان کے مافیہا کے مطالعہ سے ہم یہ نتیجے نکالتے ہیں:۔

۱۔ اس زمین میں فساد اور گناہ گاری کے لیے انسان ہی جواب دہ ہے۔

اور یہ کہ سماج کو بگاڑنے اور اس میں بے راہ روی کا بیج بونے کے لیے انسانوں کی ایک خاص جماعت جواب دہ۔ پس لازم ہے کہ اس جماعت کو گھیرے میں لے کر اس معاشرہ پر اثر انداز ہونے سے بچا لیا جائے اور یہ دو ہی صورتوں سے ممکن ہے اس کے اثر اندازی کے اس مرکز کو تباہ کر کے جہاں سے وہ اپنا عمل کرتی ہے۔

واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه وکانوا مجرمین ۰ (اور جو لوگ ظلم کے مرتکب تھے وہ اسی عیش میں پڑے رہے جس میں ہم نے انھیں ڈال دیا تھا اور وہ خطا کار تھے)۔ سورۂ ہود آیت ۱۱۶

۲۔ یہ کہ فساد، نافرمانی اور گناہ ارتکاب کرنے والے ہی تک ٹھہرا نہیں رہتا بلکہ وہ ایک وبا ہے جو پورے معاشرہ میں سرایت کر جاتی ہے اور ایسا خطرہ ہے جو انسان کے وجود کو دھمکاتا ہے۔

۳۔ یہ کہ معاشرہ کے افراد، خصوصاً ذی فہم اور حساس گروہ ہی فساد کا مقابلہ کرنے اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ذمہ دار ہے اور کوئی بھی فساد پر سکوت اختیار کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے قابلِ معذرت نہیں ہے۔

۴۔ یہاں ایسے انسان ہیں جو اصلاح سے مایوس ہو جاتے ہیں اور جب کبھی وہ فساد اور نافرمانی دیکھتے ہیں ان پر مایوسی چھا جاتی ہے۔ یقیناً یہ جماعت اپنی فہم و ادراک میں موقع کی صحیح حالت سے ناآشنا رہتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے اس کے

اور اصلاح کرنے والی جماعت کے مابین ہونے والی گفتگو کو پیش کیا ہے جو فساد پر خاموش رہنے پر رضا مند نہیں ہوتی اور اس کی ارادہ مند رہتی ہے کہ اپنی اصلاحی مہم کو چلاتی رہے۔ تاکہ اللہ کے سامنے قابل معذرت رہے اور اپنی شرعی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوجائے خواہ حالات کتنے ہی سخت اور تکلیف کیوں نہ ہوں۔

واذ قالت امة منهم لم تعظون
قوما الله مهلكهم او معذبهم
عذابا شديدا قالو معذرة الى ربكم
ولعلهم يتقون ٥ (جب ان میں
سے ایک گروہ نے کہا کہ ایسوں کو نصیحت
کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے
یا اُن پر سخت عذاب کرنے والا ہے تو انھوں
نے کہا کہ اللہ کے سامنے عذر پیش کرنے
کے لیے۔ اور شائد کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار
کرلیں) سورہ اعراف آیت ۱۶۴

۵۔ بے شک ممکن ہے کہ اس اصلاحی کوشش سے جو مصلح حضرات کرتے ہیں معاشرہ کو پناہ حاصل ہوجائے، نظام زندگی محفوظ ہوجائے اور انسان تباہی سے اور اس عذاب الٰہی سے بچ جائے جو انسان کے گناہ کرنے اور قانون کی خلاف ورزی کرنے پر عادلانہ سزا کے طور پر آتا ہے۔

وما كان ربك ليهلك القرى بظلم واهلها

مصلحون ۰ (اور اللہ کسی بستی کو ظلم سے
تباہ نہیں کرتا جب کہ اس کے باشندے اصلاح
کرنے والے ہوں) ۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ ظلم ، گناہ اور قانون شکنی کے سبب کے علاوہ علا
آفت یا انسانی تباہی نازل ہو ۔

اسی لیے انسان پر واجب ہے کہ مستقل طور پر ہوشیار رہے اور ا
آپ پر اور معاشرہ پر نگاہ رکھے تاکہ جونہی زندگی کے میدان میں ظلم یا
نظر آئے اوّل موقع پر اس کا قلع قمع کر دے ۔

پس قرآن کے اس حکم کے مطابق انسان جوابدہ قرار پاتا ہے
اپنے بارے میں ، اپنی اولاد کے ، اپنی بیوی کے ، اہلِ خاندان کے اور ا
معاشرہ کے بارے میں جس میں وہ محصور ہے ۔ اور ترک واجب کے
وہ قابلِ معذرت نہیں ہے ، سوائے اس کے جب وہ عملاً اصلاح اور تبد
لانے سے قاصر ہو ۔

یاایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم
واھلیکم نارًا وقودھا الناس
والحجارۃ ، علیھا ملائکۃ غلاظ
شداد لا یعصون اللہ ما امرھم
ویفعلون ما یؤمرون ۰ (اے
لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے

اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا
ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر بہت
شدید سختی کرنے والے فرشتے مامور ہیں
جو اللہ حکم دے وہ اس کی خلاف ورزی
نہیں کرتے اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے
وہی کرتے ہیں)۔

سورہ تحریم آیت ۶۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کیلئے اجتماعی اقدام

وتعاونوا علی البر والتقوی و لا

تعاونوا علی الاثم والعدوان ہ

اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے

کا ساتھ دو۔ اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے

کا ساتھ نہ دو۔

سورۂ مائدہ ۔ آیت ۲

ولتکن منکم امۃ یدعون

الی الخیر و یامرون بالمعروف

وینہون عن المنکر واولئک

ھم المفلحون ہ (اور تم میں سے

ضرور ہونا چاہیئے ایک گروہ جو بھلائی کی

طرف بلاتے ہوں ، نیکی کی ہدایت کرتے

ہوں ۔ اور بدی سے روکتے ہوں اور یہی

ہیں وہ لوگ جو خوش حالی سے بہرہ اندوز ہیں!۔

آلِ عمران آیت ۱۰۴

والمؤمنون والمومنات بعضهم
اولياء بعض يامرون بالمعروف
وينهون عن المنكر ....

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک
دوسرے کے بہی خواہ ہیں۔ وہ نیکی کی
ہدایت کرتے رہتے ہیں اور برائی سے روکتے
رہتے ہیں)۔

سورۂ توبہ آیت ۷۱

جیساکہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب کفائی ہے۔ انسان کے پابندِ قانون ہونے کے لحاظ سے واجبات کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل۔ واجب عینی: جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ جو ہر پابندِ قانون فرد پر پوری طرح واجب ہے اور اس کے پورا کرنے کا جواب دہ ہے۔ اور جب دوسرے اس کو پورا کردیں تب بھی یہ اس فرد پر سے ساقط نہیں ہوتا۔

دوسرے. واجب کفائی : یہ وہ واجب فعل ہے جس کو اگر دوسرے افراد بجالے آئیں تو وہ باقی پر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اللہ کی راہ میں جہاد، میت کو غسل اور کفن دینا، اس پر نماز پڑھنا، شرعی مسائل میں اجتہاد کرنا.... وغیرہ۔ چنانچہ ان واجبات میں یہ کافی ہے کہ بعض افراد متوجہ ہو کر ان کو ادا کریں تو باقی افراد پر سے ان کے بارے میں جوابدہی ساقط ہو جائے گی۔ البتہ اگر کوئی جماعت یا فرد ان اعمال کے ادا کرنے کے لیے متوجہ ہو اور پورا نہ کر سکے تو باقی افراد بھی اس فریضہ کو پورا نہ کرنے کے لیے قابل محاسبہ اور جوابدہ ہوں گے۔ یہ بھی واضح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ میں بیشتر اجتماعی عمل اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

چوں کہ زیادہ تر ایک فرد یا چند گنے چنے افراد اس مشکل اور مشقت طلب فعل کو طلب کرنے سے قاصر رہتے ہیں اس لیے فقہاء نے واجب قرار دیا ہے کہ جب بھی افراد ایسے عمل کو نہ کر سکیں تو وہ جماعت بنالیا کریں۔

قرآن کریم بھی اس حقیقت پر زور دیتا ہے اور ہمارے لیے اس کی وضاحت اپنے اس قول میں کرتا ہے کہ:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر

ویامرون بالمعروف وینھون عن

المنکر واولئک ھم المفلحون ہ

(اور تم میں سے ضرور ہونا چاہیئے کہ ایک

گروہ جو بھلائی کی طرف بلاتے ہوں، نیکی کی

ہدایت کرتے ہوں، اور بدی سے روکتے
ہوں اور یہی ہیں وہ لوگ جو خوش حالی سے
بہرہ اندوز ہیں)۔

سورہ آلِ عمران آیت ۱۰۴

خصوصاً جب گمراہی، بغاوت اور فساد کی قوتیں طاقت، تنظیم اور منصوبہ بندی کے ذریعوں سے اپنے آپ کو مضبوط بنا کر تخریبی حالات کی حمایت کریں اور اس کا بچاؤ کریں تو ایسی حالت میں بدی اور فساد کو مٹانے کے لیے اور فرد، معاشرہ حکومت اور عوام کی زندگی کی اصلاح کے لیے اجتماعی عمل، مومنین کا یکجا ہونا، ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ایک دوسرے کو سہارا دینا اور اپنی طاقتوں کو متحد رکھنا ایسا ضروری ہو جاتا ہے جس کے بغیر چارہ کار نہیں۔

شریعتِ اسلامی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام مومنوں کو ایک جماعت میں متحد ہونے اور معاشرہ کے عناصر کو طاقتور بنانے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:۔

وما کان المومنون لینفروا کافۃ
فلولا نفر من کل فرقۃ منھم
طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا
قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم
یحذرون ہ (مومنوں کے لیے ضروری نہیں
ہے کہ سب کے سب نکل پڑیں۔ بلکہ چاہیئے کہ
ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت والے

نکلیں اور دین میں دستگاہ حاصل کریں۔
اور جب اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو ان
کو ڈرائیں شاید وہ لوگ تنبیہ حاصل کریں)۔

سورۂ توبہ آیت ۱۲۲

اس طرح اس آیت میں قرآن مومنوں سے خطاب کرکے ان کے سامنے تبلیغ احکام شریعت کے بارے میں، نیکی کی ہدایت کرنے میں، معرفت اور اسلامی ثقافت کی اشاعت میں اور معاشرتی اصلاح کے معاملہ میں ان کی ذمہ داری کی وضاحت کرتا ہے اور ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت انقلابی عمل اور احکام اسلام کی تبلیغ کی طرف متوجہ ہو کر اسلامی بنیاد پر اصلاح اور انقلاب کا عمل بجا لائے۔ جیسا کہ پہلے بیان کی ہوئی آیت میں نیکی کی ہدایت کرنے، برائی سے روکنے، اور اسلام کی طرف بلانے کے لیے ایک جماعت کے موجود رہنے کی دعوت دی ہے۔

اس دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مومنین کی ذمہ داریوں کی حدود کا تعین کر دیا جائے اور وہ نیکی کی ہدایت کرنے، برائی سے روکنے اور اصلاح اور تبدیلی کرنے کے ذریعوں اور طریقوں سے واقف ہو جائیں

تاکہ وہ گمراہی کی قوتوں اور انسانی زندگی میں فساد اور نافرمانی پھیلانے والوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔

والحمد للہ رب العالمین